صنم شاکر
پی ایچ ڈی اسکالر
شعبۂ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی، اسلام آباد

سرسیّد احمد خان: رجحان ساز ادبی شخصیت

ABSTRACT

Sir Syed Ahmad Khan: A Trend-Setting Literary Personality
By Sanam Shakir, Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Federal Urdu University, Islamabad.

Sir Syed Ahmad Khan was a great scholar. He awaked the Muslim nation from dreaming. He firmly believed that Muslim society would not progress without the acquisition of western education and scientific knowledge. His educational and political work grew increasingly centered around and exclusively for Muslim interests. He was a great advocate of Urdu language. Sir Syed presented Urdu as the symbol of Muslim heritage and as the language of Indian Muslims. His contribution towards unleashing some literary trends was instrumental. This article evaluates his impact on Urdu's literary genres and trends.

ابتداً سرسید کی مذہبی مباحث سے دلچسپی رہی جو ادھیڑ عمری تک جاری رہی کیوں کہ انھوں نے مذہب کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔ اور یہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ آنحضوؐر کے حالاتِ زندگی پر لکھا اور اُمہات المومنین کے بارے میں کسی عیسائی مصنف کے اعتراضات کا جواب لکھنے کی طرف بھی مائل ہوئے۔ اُنھوں نے اپنی کتاب آثارالصنادید میں بھی سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل شہید اور شاہ عبدالعزیز کے حالات ونظریات اور کارناموں کا بھی ذکر نہایت محبت اور خلوصِ نیت سے کیا ہے۔ وہ سید احمد بریلوی کی تحریکِ اصلاح سے بھی متاثر تھے۔ اسی رجحان کے تحت تبیئن الکلام، طعام اہلِ کتاب، خطباتِ احمدیہ پھر تفسیرِ قرآن کی سات جلدیں اور کچھ مذہبی رسائل بھی تحریر کیے۔ لیکن ذہن جدت پسند بھی تھا۔ مرادآباد کا فارسی مدرسہ جو پہلا تھا ۱۸۵۹ء میں قائم کیا۔ دوسرا انگریزی سکول ۱۸۶۴ء میں غازی پور میں شروع کیا۔ لیکن اس سے بھی قبل یعنی ۱۸۶۳ء میں ''سائنٹفک سوسائٹی غازی پور'' کا افتتاح کر چکے تھے۔ جس کا مقصد مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا تھا۔ یہی وہ سوسائٹی تھی جو علی گڑھ سرسید کی منتقلی پر اُن کے ساتھ پہنچی۔ اس کے زیرِ مختلف علمی مضامین پر تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ جس کے تحت کئی انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ ہوا۔

سرسید نے اشاعتِ تعلیم کے لیے جو کوششیں کیں۔ ان میں ہندو مسلم سب کو پیشِ نظر رکھا اور تخصیص نہ ہونے دی۔

لیکن سرسید کے بنارس چلے جانے اور وہاں مقیم ہونے پر ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں کے سربراہان کا یہ خیال بھی سامنے آیا کہ سرکاری عدالتوں میں اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کے بجائے بھاشا زبان جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے۔ یہیں سے ہندی اُردو تنازعہ کی بنیاد رکھی گئی۔ تب ہی سے سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی ترقی کا ذکر کرنا شروع کیا۔ ورنہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا ذکر کرتے تھے۔

> سرسید احمد خاں کی کوشش صرف یہیں تک نہ تھی۔ انھوں نے نہ صرف قومی تشخص کو برقرار رکھا۔ بلکہ قومی زبان، مسلمانوں کو پہچان، اتحاد کی علامت اور اُردو کو اپنا جائز مقام دلوانے کے لیے سرتوڑ کاوشیں کیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد جب انگریزوں کی ہندونوازی نے اُردو کی جگہ ہندی کو رواج دینے کا مطالبہ کیا تو سرسید نے اس پر شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔(۱)

سرسید احمد خاں کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ اُردو زبان پر جو وَار کیا جا رہا ہے وہ دراصل مسلم قومیت اور مسلم تہذیب پر ہے۔ چناں چہ اُن کی ہمہ جہت شخصیت نے ہر لحاظ سے مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھا۔ اور اپنی قوم کے تشخص کو قائم رکھنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ وہ قوم کے مصلح تھے اور بھٹکی ہوئی قوم کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ اور ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود ان کا بنیادی مقصد تھا۔ ساتھ ہی انگریزی کتب کے ترجمے کو بھی زیرِ غور رکھا جو جدت پسندی کی دلیل بنتا چلا گیا۔

تاریخ سے بھی سرسید کو خاص دلچسپی تھی۔ زبان و ادب سے گہرا لگاؤ اور اسے سابقہ روایات سے نکال کر جدید بنیادوں پر استوار کرنا اُن کا دائرہ کار اور مقصدِ اولیٰ تھا۔ صحافت کو حالاتِ حاضرہ کا ترجمان بنانے کے لیے ''اخبار سائنٹفک سوسائٹی'' اور ''تہذیب الاخلاق'' کا اجرا بھی اسی مقصد کے لیے کیا گیا۔ نئے جدید موضوعات کو اخبار اور مجلّے میں یوں شامل کیا گیا کہ اُردو نثر جو زیادہ تر مافوق الفطرت قصے کہانیوں اور داستانوں تک محدود تھی۔ اسے زندگی کا عکاس اور ترجمان بنایا۔ سرسید نے جس سماجی، مذہبی اور تعلیمی اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا تھا ''تہذیب الاخلاق'' اسی کا داعی تھا۔

عبیداللہ قدسی کے مطابق:

> سرسید مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، سماجی اور معاشرتی اقدار کے ساتھ ساتھ ادب و انشا کی بھی اصلاح چاہتے تھے۔ اس اصلاحی مقصد کے لیے اُنھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' کو جدید خطوط پر استوار کیا۔(۲)

''تہذیب الاخلاق'' کی اصلاحی مہم کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اس کے ذریعے نہ صرف اُردو نثر میں نیا اسلوب متعارف کروایا گیا بلکہ ہر فرد کی اخلاقی اصلاح، عملی نقطۂ نظر کی اصلاح، دینی زاویے کی اصلاح اور تہذیب و شائستگی کی تکمیل کا

بیڑہ اسی رسالے نے اُٹھایا۔ سرسید ''تہذیب الاخلاق'' کے اجرا کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> اس پرچے کے اجرا سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجے کی سویلزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تاکہ جس حقارت سے سویلائزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں۔ وہ رفع ہوں اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلائیں۔(۳)

اُردو میں مضمون نگاری کے باقاعدہ لکھاری بھی سرسید احمد خاں بنے۔ اور محض تخلیاتی دائرہ کار سے اُردو زبان کو نکال کر حقیقی معاشرے کے موضوعات کی طرف لے آئے۔ اُردو میں سرسید کو مضمون نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔ مضمون نگاری کی اس صنف کو سرسید نے ''سپیکٹیٹر'' اور ''ٹیٹلر'' اخبارات کے اثر سے قبول کیا۔ اور انھی کی بنیاد پر ''تہذیب الاخلاق'' کا اجرا کیا گیا۔ جس کی زبان سادہ اور عام فہم تھی۔ اس لیے کہ سرسید اپنے اس مجلہ کے ذریعے قوم کو حالاتِ حاضرہ سے روشناس کرواتے ہوئے اسے جدید ڈگر پر ڈال رہے تھے۔ تاکہ اخلاقیات کے ذریعے وہ قوم میں احساسِ زندگی پیدا کر سکیں۔ انگریزی سے اُردو میں باقاعدہ ترجمہ کرنے کی طرح بھی سرسید ہی نے ڈالی۔ اور اُردو نثر کو وسعت اسی انداز میں دی جو انگریزی میں مروج تھا۔ جس میں معاشرتی زندگی کی تصویر بھی تھی اور تعمیر بھی۔

منطق اور عقلی شعور سرسید کے پیشِ نظر تھا باوجود اس کے کہ ان کی تحریر میں خوش کیش کم و بیش ہی نظر آتی ہے۔ ظرافت بھی شاذونادر ہے۔ زندگی کی خوش نمائی اور دلچسپ پہلو بھی موجود نہیں۔ لیکن ان کی تحریر بدمزہ بھی نہیں۔ یوں وہ معقولیت میں ڈوبے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حقائق پر نظر رکھنے سے وہ لاشعور کو ضرور جھٹکا دیتے ہیں۔ انھوں نے ادب کا ایک باوقار، سنجیدہ اور متوازن معیار قائم کیا تاکہ اُردو ادب کو مقفّٰی اور مسجع اسلوب سے نجات دلا کر سادگی کی ڈگر پر ڈالا جائے۔ یوں ادب کی مقصدی حیثیت اُبھر کر سامنے آئے۔ سرسید نے اپنی تحریروں میں زندگی کے جمال کو اُجاگر کرنے کے بجائے مادی قدروں کو اہمیت دی اور ادب کو بے غرض مسرت کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے ایک ایسا مفید وسیلہ قرار دیا جو مادی زندگی کو بدلنے اور اسے مائل بہ ارتقا رکھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ سرسید نے ادب کو تنقیدِ حیات کا فریضہ سرانجام دینے کا رجحان دیا۔ انھوں نے وقت کے تقاضوں کو بھانپتے ہوئے انگریز قوم کے دل میں مسلمانوں کے لیے ہمدردی پیدا کرنے کی شعوری کاوشیں کیں۔

> سرسید نے اُردو ادب کو جو ذہن دیا اس کے عناصرِ ترکیبی کی اگر فہرست تیار کی جائے۔ تو اس کے بڑے بڑے عنوان یہ ہوں گے۔ مادیت، عقلیت، اجتماعیت اور حقائق نگاری۔ سرسید کے مجموعی فکر و ادب کی عمارت انھی بنیادوں پر قائم ہے اور شاید یہی وہ نمایاں اور اہم رجحانات ہیں جو اُردو ادب میں سرسید کا فیضِ خاص سمجھے جاتے ہیں۔(۴)

سرسید کے ان رجحانات سے اُردو کا سارا ادب اور زبان و بیان کے سانچے متاثر ہوئے۔ اور ایک معمولی سے

ردِعمل سے قطع نظر آج کا مجموعی ادبی اور فکری رجحان بھی اسی سلسلہ فکر وعمل کی ارتقائی شکل ہے۔ چناں چہ ترقی پسند تحریک اپنی بیش تر خصوصیات کی بنا پر سرسید کی مادیت، عقلیت اور حقیقت نگاری ہی کی ہم جنس معلوم ہوتی ہے۔ سرسید کے فکری اور ادبی عناصر ان کے پیدا کردہ ادبی سرمائے میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے مادے کو زندگی کی اصل حقیقت قرار دیا۔ موجودات کے ان مادی مظاہر کو عقل وحکمت سے دیکھنا اور ان سے معاشی اور اجتماعی فوائد حاصل کرنا ہی سرسید کے نزدیک عین ترقی ہے۔

ان کی تحریروں میں یہ خیال بار بار دہرایا گیا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے اور سچائی کو معلوم کرنے کا واحد طریقہ تحقیق ہے نہ کہ تقلید۔ اس حقیقت سے انکار کسی صورت ممکن نہیں کہ انھوں نے آزادانہ سوچنے، سائنسی نقطہء نظر اور گہری فکر سے پرکھنے کا میلان پیدا کیا۔ انھوں نے ہی اپنے زمانے کو آزاد خیالی سکھائی۔ سرسید کے رجحان کا بنیادی نقطہ عقلیت، حقیقت پسندی اور جدت کی بنیاد پر اصلاحِ معاشرہ تھا۔ اس بنیاد پر انھوں نے مذہبی عقائد کو پرکھا اور زبان و بیان کے وہ سانچے بنائے جو ان سے قبل اُردو میں مروج نہ تھے۔

سرسید تحریک کا مقصد بقول ڈاکٹر انور سدید:

> نئے علوم کا حصول، مذہب کی علوم عقلی سے تفہیم، سماجی اصلاح اور زبان وادب کی ترقی اور سربلندی شامل ہیں۔(۵)

برصغیر کے مسلمانوں کو ایک قوم کی صورت میں پہلی بار سرسید ہی نے پیش کیا۔ چناں چہ ان کی فلاح وبہبود اور اخلاقیات پر بھرپور توجہ دی اور ان کی سیاسی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے وسیع تر بصیرت سے کام لیا۔ مذہب کے روایتی تصور کو دور کرنا بھی سرسید کے مقاصد کا حصہ تھا۔ وہ مذہب کو صرف حصولِ ثواب کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔ چناں چہ اسلام کے فکری زاویوں کو اُبھارنے کی انھوں نے بھرپور کوشش کی۔ اسلام کی تفہیم میں عقلی نقطہء نظر بھی استعمال کیا۔ تنگ نظری، تعصب اور انتشار کے خلاف انھوں نے جہاد کیا۔

خلیق احمد نظامی سرسید کی مذہبی خدمات کو زیرِقلم لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> سرسید نے مذہبی معاملات میں عقلیت، کشادہ ذہنی اور بے تعصبی کو رہبر بنا کر مسائل کو حل کرنا چاہا۔ غالباً ہندوستان میں وہ پہلے شخص تھے جس نے مذہب کے تقابلی مطالعے کی قدر و قیمت کو پہچانا۔ ان کی انجیل کی تفسیر (تبین الکلام) اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے اور اس سے ایک نئے اندازِ فکر کا آغاز ہوتا ہے۔(۶)

انھوں نے اُردو کے اسالیبِ بیان میں وسعت پیدا کی اور موضوعات کا دائرہ وسیع کیا۔ سرسید کی تحریک کا مقصد قومی مقاصد کو بڑھانا اور راسخ کرنا تھا۔ انھوں نے سستی جذباتیت کو فروغ دینے سے گریز کیا اور تدبر وشعور کو پروان چڑھانے

کی سعی کی۔ سرسید نے نہ صرف اُردو زبان کو وسعت دی بلکہ اُردو ادب کے اسالیبِ بیان اور روحِ معنی کو بھی متاثر کیا۔ ان کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ سرسید نئی تعلیم کے حامی اور جدیدیت کے علمبردار تھے۔ انھوں نے اُردو شاعری کے مقفّٰی اور مسجع اسلوب سے قطع نظر سادگی اور متانت کو بنیاد بنایا۔ ان کے عہد میں جذبات پر تعقل پسندی کو غلبہ حاصل ہوا۔ اور عقائد کو بھی عقل کی روشنی میں پرکھا جانے لگا۔ اُردو شعروادب میں اسی نقطۂ نظر کے تحت افادیت پسندی کو فروغ ملا۔ جس سے اُردو ادب میں اصناف کا دائرہ وسیع ہوا۔

سرسید نے ادب کو تنقیدِ حیات کا مماثل قرار دیا۔ ان کے تنقیدی نظریات متعدد مضامین میں بکھرے ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ انھوں نے تنقید پر کوئی باقاعدہ کتاب تحریر نہیں کی البتہ ادب کی تنقید کے اصول وضع کر کے اپنے رفقا کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ ''مقدمہ شعروشاعری'' اور ''یادگارِ غالب'' مولانا الطاف حسین حالی نے اسی تنقیدی شعور کے زیرِ اثر تحریر کیں۔ ''شعرالعجم'' بھی شبلی نے اسی تنقیدی شعور کے پیشِ نظر لکھی۔ اس طرز کو الفاظ کا گورکھ دھندہ نہیں کہا جا سکتا۔ سرسید اسی نظریے کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

> تُک بندی سے جو اس زمانے میں مقفّٰی عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ دی۔ اس میں کوشش کی کہ جا کچھ لطف ہو وہ مضمون کی ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہ ہی دوسرے کے دل میں پڑے۔ تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔(۷)

تاہم انھوں نے انشا کے بنیادی تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا اور طرزِ ادا کو دلچسپ بناتے رہے۔ اسی لیے ان کے ہاں عقلی دلیل کے ساتھ جمالیاتی حُسن بھی نظر آتا ہے۔ سرسید نے پورے معاشرے میں موجود حقائق کی بنیاد پر موضوعات اور تحریر کے انداز کو اختیار کیا جس کو اس دور میں اور آج بھی جدیدیت کہا جاتا ہے۔ سرسید نے اُردو نظم میں فطرت نگاری کے رجحان کو بھی آگے بڑھایا۔ باوجود اس کے کہ شاعری کے مردِ میدان نہ تھے لیکن ان کے اثر سے فطرت نگاری اُردو نظم کا مرکز بنتی چلی گئی۔ سرسید کا بنیادی مقصد اصلاحِ معاشرہ تھا اسی کے پیشِ نظر انھوں نے روایتی مذہبی رجحان اور تہذیبی زاویوں پر نظر ڈالی اور نیا طرزِ فکر دینے کی کوششیں کیں۔ تقلیدِ بے جا کے برعکس ہر موضوع کو تحقیقی، تنقیدی اور عقلی زاویوں سے پرکھا۔ سرسید کھُلے ذہن والے مصلح اور متجسس انسان کے طور پر تاریخ میں زندہ ہیں۔

''ترقی کے اصول اور تنزل کے وجوہ'' میں سرسید لکھتے ہیں:

> ہمارے بزرگوں کو صرف اسی پر ناز تھا کہ انھوں نے یونانی فلسفہ اور یونانی علمِ طب اور یونانی علمِ ہیئت، غرض کہ تمام وہ علوم جو یونانیوں کے پاس تھے ان کو حاصل کیا ہے مگر جب ان میں صریح غلطیاں ظاہر ہوئی ہیں اور ترقی یافتہ علوم ہمارے دسترس میں موجود

ہیں تو ہماری کیا شامت ہے کہ ہم انھیں یونانیوں کی غلامی میں اپنی تمام عمر خراب کر دیں۔ ہمیں اب غور کرنا ہے کہ ہماری قوم کے لیے اس زمانے میں کیا مفید ہے۔ ان ترقی یافتہ علوم کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا یا یونانیوں کے اس پرانے دھڑے پر چلنا اور اسی جھولے میں جھولتے رہنا جو نہایت بوسیدہ اور کمزور ہو گیا ہے اور اس قابل بھی نہیں رہا ہے کہ ایک طفلِ مکتب کا بھی بوجھ اٹھا سکے۔(۸)

سرسید نے جدید انگریزی علوم کی اہمیت کو سمجھا اور انھیں متعارف کروانے کی بھرپور کوشش کی۔ تاکہ اہلِ ہند خاص طور پر مسلم قوم حالات حاضرہ سے باخبر ہو کر اپنی راہوں کا تعین کر سکیں۔ اجتماعی شعور کی تشکیل اور سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی، اخلاقی اور اقتصادی عوامل پر ان کی گہری نظر تھی جو جدید معاشرے کی بنیاد کہی جا سکتی ہے۔ حقائق سے چشم پوشی ان کے کسی رویے میں بھی موجود نہ تھی۔ اسی کی بنیاد پر راہوں کا تعین کرنا بھی اہلِ ہند اور مسلم قوم کے لیے لازم تھا اسی احساس اور شعور نے انھیں مصلح بنایا۔

تمام ہندوستان کے باشندوں کی اور بالخصوص مسلمانوں کی خیر و عافیت اسی میں ہے کہ سیدھی طرح انگلش گورنمنٹ کے سایہء عاطفت میں اپنی زندگی بسر کریں... اور ان کی بدخواہی نہ اپنے دل میں لاویں نہ بدخواہوں کے ساتھ شریک ہوں۔(۹)

اس لیے کہ انگریز حکومت سے ٹکراو کسی طور پر بھی ہندوستانیوں کے لیے بہتر نہ تھا اور یہی وقت کا تقاضا بھی تھا۔ اسی کی بنیاد پر ایسا شعور پیدا ہوا کہ علی گڑھ کے تعلیم یافتوں ہی نے پاکستان کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا۔ کیوں کہ سرسید کی پیدا کردہ جدید تعلیم اور سائنسی علوم کی بنیاد پر معاشرتی شعور بیدار ہوا۔ اس لیے کہ انھوں نے قوم کو ادب برائے زندگی اور افادیت سے ہمکنار کیا تھا۔ انگریزوں کی سائنسی ایجادات نے سرسید کو دورِ جدید کا ہمنوا بنایا۔ وہ اپنی قوم کو ایک مہذب اور جہاندیدہ بنانا چاہتے تھے تاکہ حالات کا شعور سے جائزہ لے سکیں اور خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں پہنچ پائیں۔

ڈاکٹر انور سدید اُردو ادب کی مختصر تاریخ میں سرسید کے مقاصد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سرسید نے جو تحریک پیدا کی وہ ہمہ جہت، متنوع اور کثیر المقاصد تھی۔ سیاسی زاویے سے اس تحریک نے مسلمانون کی تہذیبی بقا، سیاسی ترقی اور معاشرتی برتری پیدا کرنے کی کاوش کی۔ مذہبی زاویے نے اوہام پرستی کے ازالے اور نئے علوم کی روشنی میں دینِ فطرت کی توضیح اور ادبی زاویے سے اُردو زبان کے فروغ و ارتقا میں گراں قدر حصہ لیا... ادیبوں کی ایک ایسی جماعت بھی بنائی جن کی جدت پسندی نے اُردو کو ہمہ جہت ترقی دی۔(۱۰)

سرسید نے مسلمانوں میں الگ قومیت کا ادراک پیدا کیا اسی بنیاد پر انھیں مسلمانوں کی نشاطِ ثانیہ کا نقیب تسلیم کیا جاتا ہے۔ پرانے علوم میں کھو کر اہلِ ہند خاص طور پر مسلمانوں کی تہذیب میں کوئی جدت پسندی موجود نہ تھی۔ کیوں کہ مسلمان جدید علوم خاص طور پر انگریزی زبان اور سائنسی ایجادات کو غیر اہم سمجھتے تھے۔ سرسید اپنی فکر کی بنیاد پر حالات کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پرانے علوم مسترد ہو چکے اور ان کی جگہ نئے علوم لے چکے۔(۱۱)

پرانے علوم کے بارے میں سرسید کی یہ رائے ایک طبقے کے لیے گوارہ نہ تھی۔ لیکن سرسید نے حقائق کو سمجھتے ہوئے وہی انداز اختیار کیے رکھا کیوں کہ وہ جدید علوم کی بنیاد پر ہی مسلم قوم کو نئی زندگی دینے کی سعی کر رہے تھے۔ ان کے تمام اصلاحی کام جدید علوم کی بنیاد پر تھے اسی لیے ان کی یہ سوچ:

> مذہب کو زندگی کے ہر معاملے پر حاوی سمجھنا تہذیب وشائستگی کے خلاف ہی نہیں بلکہ یہ تو قوموں کی تباہی کا باعث ہے۔ انسانوں کی بدبختی کی جڑ دنیاوی مسائل میں مذہب کو شامل کر لینا ہے۔ کیوں کہ دینی مسائل نا قابلِ تغیر ہیں اور دنیاوی مسائل ہر آن تبدیل ہوتے ہیں۔(۱۲)

قدامت پسند لوگوں نے سرسید کے انھی خیالات کی مخالفت کی اس لیے کہ دینی علوم کو زندگی سے نکال باہر کرنا بھی ممکن نہیں۔ دراصل سرسید عالم دین نہیں تھے اگر وہ مذہبی افکار کے بارے میں اتنی رائے زنی نہ کرتے تو شاید ان کی مخالفت میں اتنی زبانیں نہ پیدا ہوتیں۔ لیکن ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنی قوم کو ایک زندہ قوم کی حیثیت سے آگے بڑھتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔

سرسید احمد خاں نے روایتی مسلم فکر کو جدید زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے لیے جو عقلیت پسند طریقِ کار اپنایا اس کے اثرات ہمہ گیر اور دیر پا ثابت ہوئے۔ انھوں نے روشن خیالی کے لیے جو راستہ تجویز کیا وہ عقلیت پسندوں کے لیے نہایت اہم تھا۔ چناں چہ ان کی مخالفت میں بھی جو انداز اختیار کیا گیا وہ انھیں کے طرزِ تحریر سے متاثر ہو کر کیا۔

پروفیسر محمد عمر دین لکھتے ہیں:

> ان کی جسارتِ فکر، ان کے خلوصِ نیت اور ان کی اولیت سے انکار ممکن نہیں۔ ان کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ زمانہء حال کے تمام مسلم مفکرین نے ان کے خیالات اور اجتہاد سے خوشہ چینی کی ہے۔ آج ان کے نیچری ہونے پر کُفر کا فتویٰ دینے والے بھی اسلام کو دینِ فطرت ماننے پر مجبور ہیں۔(۱۳)

ہندو اکثریت کے سیاسی غلبے اور مسلمانوں کی سیاسی کسمپرسی ان کے لیے وبالِ جان تھی۔ وہ مسلمانوں کو سیاسی اعتبار

سے سرفراز دیکھنا چاہتے تھے۔ مذہب کے بارے میں ان کی رائے، تعلیمی اور سیاسی سرگرمیاں اسی بنیاد پر تھیں۔ ان کی رائے میں تفکر اور استدلال کو جذبہ اور تخیل پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ استدلال کے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔ ان کے علمی و ادبی اور اصطلاحی پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا جائے تو یہی اس دور کی ضرورت تھی۔ اور اسی نے مسلمانانِ ہند کے لیے ترقی کی راہیں کھولیں۔

قاضی جاوید اسی نظریے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> سرسید احمد خاں کا نمایاں ترین کارنامہ تشکیل پذیر مسلم بورژوا طبقے کے لیے آئیڈیالوجی فراہم کرنا ہے۔ یہ نئی آئیڈیالوجی اسلام کی ایک ایسی تعبیر سے عبارت ہے جو تغیر پذیر حالات سے ہم آہنگ اور اس طبقے کے مفادات کے مطابق تھی۔ (۱۴)

تبدیلی اور انقلاب ہر معاشرے اور ہر قوم میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ سرسید کی تمام کاوشوں کا مرکز یہی تبدیلی شعور تھی۔ وہ معاشرے کو جدید حالات کی روشنی میں دیکھتے رہے اور اسی جدت پسندی نے ان کے ذہن کو موجودہ حالات اور مستقبل کا نقیب بنایا۔ تاریخ جو ماضی کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے۔ سرسید کی سوچ اور فکر نے جدید حالات کی روشنی میں تاریخی عوامل کو سمجھا اور نئی راہوں کا تعین کیا۔ وہ استدلال کے بغیر کوئی کام بھی اختیار نہیں کرتے تھے۔

سرسید نے تاریخ میں غیر شخصی اسلوب کو بھی مروج کیا اور اسے غیر جانبداری سے تاریخ نگاری میں برتا۔ انھوں نے تاریخ کے لیے سادہ بیانیہ نثر کے استعمال پر زور دیا۔ سرسید نے جدید مغربی تقاضوں سے آگاہی رکھتے ہوئے ادب کو جدید خطوط پر استوار کرنے کا رجحان دیا۔ انھوں نے صرف ادیب اور اس کی تخلیق کو ہی اہمیت نہیں دی بلکہ قاری کی اساسی حیثیت کو بھی تسلیم کیا۔

سرسید نے پوری ہندوستانی قوم خاص طور پر مسلمانوں کو جب جمود میں گھرا پایا تو انھوں نے تعلیم کی بنیاد پر قوم کے نظریات اور سیاسی سوجھ بوجھ میں وسعت پیدا کرنے کی ہمہ گیر کوشش کی۔ اور جدید علوم کی بدولت اُردو ادب اور صحافت میں بھی ہمہ گیر تبدیلیاں پیدا کیں۔ سرسید تہذیب و شائستگی کی نشاندہی میں قوم کے روز و شب سنوارنے کی تگ و دو میں لگے رہے۔ وہ قدیم طرزِ شاعری کو جدید بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے تھے۔ جدید شاعری نے انھیں کے افکار سے اثر قبول کیا۔ یہاں تک کہ اُردو ادب میں نئے نئے موضوعات سرسید کی بنیاد پر پیدا ہوئے۔ زبان و بیان کے سانچوں میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ باوجود اس کے کہ سرسید نے اُردو ادب یا صحافت میں کہیں بھی مزاح نگاری کو اختیار نہیں کیا۔ لیکن ان کی تحریک کے ردِعمل میں اس صنف کو بھی چار چاند لگ گئے۔ ان کی مخالفت میں طنز و مزاح کو نیا رُخ ملا۔

سرسید کے نظریات اور ان کا اندازِ فکر، تحریک کی کاوشوں میں جدت کو دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی تمام تر ترقی اور ہمہ گیریت سرسید کے افکار کی پیداوار ہے جس سے سرِ متجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ سرسید کے کارناموں

کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان کا بنیادی مقصد قومِ مسلم کو جہاندیدہ بنا کر جدید خیالات اور نظریات سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ وہ اُردو ادب اور اس کی متعدد اصناف، صحافت کی مختلف طرز اور برصغیر کی سیاست کے تمام تر رجحانات کے وہ مینار ہیں جس کی روشنی سے پاکستان وجود میں آیا۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کو دنیا بھر میں تسلیم کیا جانے لگا۔

حواشی

(۱) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ہندی اُردو تنازع، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۸ء)، ص ۳۹
(۲) عبیداللہ قدسی، آزادی کی تحریکیں، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۵۲
(۳) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۹ء)، ص ۳۰۷
(۴) عبداللہ، سید، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۹۳
(۵) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، ص ۳۰۸
(۶) خلیق احمد نظامی، علی گڑھ کی علمی خدمات، (نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۴ء)، ص ۲۰
(۷) محمد اسمٰعیل پانی پتی (مرتب)، مقالاتِ سرسید، حصہ دہم، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۳ء)، ص ۱۱۴
(۸) سلیم اختر، ڈاکٹر، مجموعۂ ڈاکٹر سلیم اختر (تنقیدی و تحقیقی مقالات)، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۳۵
(۹) ایضاً، ص ۱۳۷
(۱۰) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، (لاہور: عزیز بک ڈپو، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۸۰
(۱۱) نواز صدیقی، پروفیسر، روشن خیالی اور پاکستان، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۸
(۱۲) ایضاً، ص ۲۹
(۱۳) محمد عمر دین، پروفیسر، سرسید احمد خان: نیا مذہبی طرزِ فکر، (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۵ء)، ص ۷۹
(۱۴) قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، (لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۸۰ء)، ص ۲۹

مآخذ

(۱) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۹ء
(۲) ـــــــ، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، ۲۰۰۶ء
(۳) پانی پتی، محمد اسمٰعیل (مرتب)، مقالاتِ سرسید، حصہ دہم، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۳ء
(۴) سلیم اختر، ڈاکٹر، مجموعۂ ڈاکٹر سلیم اختر (تنقیدی و تحقیقی مقالات)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء
(۵) عبداللہ، سید، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء
(۶) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ہندی اُردو تنازع، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۸ء

(۷) قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۸۰ء
(۸) قدسی، عبیداللہ، آزادی کی تحریکیں، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۸ء
(۹) محمد عمر دین، پروفیسر، سرسید احمد خان: نیا مذہبی طرزِ فکر، لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۵ء
(۱۰) نظامی، خلیق احمد، علی گڑھ کی علمی خدمات، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۴ء
(۱۱) نواز صدیقی، پروفیسر، روشن خیالی اور پاکستان، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۳ء